حضرت

خواجہ معین الدین چشتی

اجمیریؒ



حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ

تصنیف

مولوی برہان احمد ظفرؔ درانی

نام کتاب	:	حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ
تصنیف	:	مولوی برہان احمد ظفر درانی
شائع کردہ	:	ظفر اینڈ سنز، قادیان
سن اشاعت	:	جون ۲۰۰۴ء
تعداد	:	تین ہزار
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

"مجاھدات عجیب اکسیر ہیں سید عبدالقادر رضی اللہ عنہ نے کیسے کیسے مجاہدات کئے۔ ہندوستان میں جو اکابر گزرے ہیں جیسے معین الدین چشتی اور فرید الدین رحمہم اللہ تعالیٰ اُن کے حالات پڑھو تو معلوم ہو کہ کیسے کیسے مجاھدات ان کو کرنے پڑے ہیں۔ مجاھدہ کے بغیر حقیقت کھلتی نہیں۔" (ملفوظات جلد چہارم صفحہ: ۲۴۲)

"اسلام میں عمدہ لوگ وہی گذرے ہیں جنہوں نے دین کے مقابلہ میں دُنیا کی کچھ پروا نہ کی۔ ہندوستان میں قطب الدینؒ اور معین الدینؒ خدا کے اولیاء گذرے ہیں۔ ان لوگوں نے پوشیدہ خدا تعالیٰ کی عبادت کی مگر خدا تعالیٰ نے اُن کی عزت کو ظاہر کر دیا۔" (ملفوظات جلد پنجم صفحہ: ۲۴۸-۲۴۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

پیارے بچو! کیا آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان میں خدا تعالیٰ کے بہت ہی پیارے پیارے ولی گزرے ہیں۔ جنہوں نے اپنا سب کچھ خدا تعالیٰ کے راستہ میں قربان کر دیا۔ اور توحید کو دُنیا میں پھیلانے کی غرض سے ہزاروں میل کا سفر طے کیا تا کہ وہ اس کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا پیار حاصل کر سکیں۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے پیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی پھر اُس سے پیار کرتا ہے۔ اسی پیار کے نتیجہ ہی میں ایسے لوگ اولیاء اللہ کہلاتے ہیں۔

ہندوستان میں گزرے بہت سے اولیاء اللہ میں سے آج میں آپ کے سامنے اُس ولی کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جن کا مزار ہندوستان کے شہر اجمیر صوبہ راجستھان میں ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ اُن کا نام کیا تھا؟ پیارے بچو! اُن کا نام تھا حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ۔ حضرت خواجہ صاحب سیستان کے ایک قصبہ سِجزی میں ۵۳۳ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ سن پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے ایک روایت کے مطابق آپ کی پیدائش ۵۳۷ھ میں ہوئی۔ قدیم جغرافیہ نویس اس کو خراسان کا ایک حصہ مانتے ہیں۔ اس وقت اس علاقہ کا کچھ حصہ ایران میں ہے اور کچھ افغانستان میں۔ عام طور پر لوگ سجزی کو سنجری کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اسی لئے آپ کے نام کے ساتھ بعض لوگ سنجر کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ آپ کے والد کا نام سید غیاث الدین حسنؒ تھا جو

کہ دنیاوی لحاظ سے بہت مالدار صاحب ثروت اور خوشحال تھے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں علم کے زیور سے بھی آراستہ کیا ہوا تھا اور اخلاق فاضلہ کی دولت سے بھی مالا مال تھے۔ سیر وسیاحت کے شوقین تھے اور اکثر نیشاپور بغداد اور اصفہان وغیرہ کا سفر کیا کرتے تھے۔ آپ نہایت ہی خدا رسیدہ اور متقی پرہیزگار عابد زاھد بزرگ تھے۔ سیر وسیاحت نے آپ کو بالغ النظر بنا دیا تھا بڑے وسعت علم کے مالک تھے آپ کی وفات سفر کے دوران ہی بغداد میں ۵۴۹ھ میں ہوئی۔ دروازہ شام کے قریب ہی آپ کا مزار واقع ہے۔ آپ کا نسب نامہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ ابن حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ کا نام ''ام الورع عرف ماہ نور'' تھا۔ آپ کی والدہ نہایت متقی پرہیزگار خدا رسیدہ خاتون تھیں۔ آپ حضرت سید داؤد کی بیٹی تھیں۔ آپ کی والدہ کی وفات ۵۵۰ھ بیان کی جاتی ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ کی ایک بہن اور دو بھائی بھی تھے لیکن تاریخ کی کتابیں اُن کے حالات کا ذکر نہیں کرتیں۔

پیارے بچو! حضرت خواجہ صاحب کو چشتی اور اجمیری دونوں القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اجمیری تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ نے ہندوستان آکر جس جگہ سکونت اختیار کی اور نورِ اسلام کو پھیلایا وہ جگہ اجمیر کے نام سے یاد کی جاتی تھی اس لئے آپ کو خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چشتی کے نام کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان کے اباؤ اجداد میں سے ایک بزرگ خواجہ ابو اسحٰق شامی حسنیؒ خراسان میں ہرات کے قریب قصبہ چشت میں پیدا ہوئے تھے وہاں سے یہ سلسلہ خاندان چشتیہ کے نام سے موسوم ہوا اس نسبت سے خواجہ صاحب کو چشتی بھی کہا جاتا ہے۔ اس طرح آپ کا پورا نام

خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ مشہور ہوا۔

تعلیم وتربیت

حضرت خواجہ صاحب کے والد بہت مالدار تھے اس لئے بچپن بہت آرام سے گزرا جس چیز کی بھی آپ خواہش کرتے آپ کو مل جاتی تھی کیونکہ خدا تعالیٰ نے آپ کے والد کو ہر چیز سے نوازا ہوا تھا۔ آپ کی عمر جب چھ برس کی ہوئی تو آپ کے والد نے آپ کی تعلیم کا سلسلہ شروع کروا دیا۔ اور ابتدائی تعلیم آپ نے سنجر ہی میں حاصل کی جب آپ کی عمر گیارہ برس کے قریب ہوئی تو آپ کے والد صاحب نے تحصیل علم کے لئے آپ کو نیشا پور بھیج دیا۔ نیشا پور اس زمانہ میں علم کا گہوارہ تھا۔ وہاں پر بڑے بڑے مدرسے قائم تھے اور دور دور سے لوگ تعلیم حاصل کرنے کے لئے نیشا پور کا سفر اختیار کرتے تھے۔ ایران وشام خراسان تک سے طالب علم وہاں اس کا شہرہ سُن کر آتے تھے۔ چنانچہ یوں ہوا کہ حضرت خواجہ صاحب پانچ سال تک وہاں تعلیم حاصل کرتے رہے اور حصول تعلیم کا سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ ۵۴۹ھ میں غزنیوں نے طوس اور نیشا پور پر حملہ کر کے وہاں قتل وغارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہاں اس قدر لوگ قتل ہوئے کہ ہر طرف خون ہی خون دکھائی دیتا تھا۔ سب گلیاں اور بازار لاشوں سے بھر گئے۔ حملہ آوروں نے مسجدوں اور خانقاہوں پر حملہ کر کے نہ صرف اُن کو برباد کر دیا بلکہ اُن میں پناہ لینے والے بھی قتل وغارت گری کی نظر ہو گئے۔ وہاں اس قدر تباہی ہوئی کہ نہ کوئی طبیب رہا نہ کوئی عالم اور نہ ہی طالب علم سب کو موت کی نیند سُلا دیا گیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے اپنے اساتذہ کو اپنی نظروں کے سامنے قتل ہوتے دیکھا۔ کہتے ہیں کہ جس کو اللہ رکھے

اُسکو کون چکھے۔ اللہ تعالیٰ آپ سے بہت بڑی خدمت لینا چاہتا تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔ جب حملہ آوروں کا زور ٹوٹا تو اس وقت وہاں کوئی ایسا وجود باقی نہ رہا تھا جو کہ آپ پر شفقت کا ہاتھ رکھتا۔ آپ سے ہمدردی کرتا۔ جب وہاں کچھ بچا ہی نہ تھا تو پھر آپ نے خیال کیا کہ اب نیشاپور میں ٹھہرنے کا کوئی فائدہ نہیں اور پھر جب والدین کو نیشاپور کی تباہی کی خبر ملے گی تو وہ بھی پریشان ہونگے اس لئے آپ نے وہاں سے سنجر واپس آنے کا فیصلہ کیا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے کہ وہی میرا محافظ ہے پہلے بھی اُسی نے حفاظت کی اب بھی وہی کرے گا۔ آپ نے سنجر کا سفر اختیار کیا اور ہر قسم کی سفر اور بھوک پیاس کی تکالیف برداشت کرتے ہوئے بخیریت اپنے وطن سنجر پہنچ گئے۔ والدہ نے اپنے بیٹے کو دیکھ کر دل کی تسکین پائی اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

والد کی وفات

حضرت خواجہ صاحب کو اپنے وطن واپس آئے چند دن ہی گزرے تھے کہ اُن کے والد بغداد کے سفر پر تھے۔ کس کو معلوم تھا کہ ایک اور آزمائش بھی آنے والی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی اپنے بندوں کو آزماتا رہتا ہے وہ آزمائش یہ تھی کہ آپ کے والد صاحب کے انتقال کی خبر اُن کو پہنچی آزمائش بہت بڑی تھی لیکن آپ کا استقلال بھی کمال درجہ کا تھا بڑے صبر سے اس امتحان میں سے گزر گئے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد والدہ اور گھر کی ذمہ واری بھی اب آپ پر آپڑی تھی۔ آپ کی آبائی جائیداد میں کھیتی کی زمین تھی۔ حصول تعلیم کا تو خیال ہی جاتا رہا آپ نے کھیتی باڑی شروع کردی۔

بچو! پہلے زمانہ میں کھیتی باڑی بھی کوئی آسان کام نہ تھا بڑی محنت کرنی پڑتی تھی۔

آج کل تو کھیتی کرنے کے نئے نئے آلات نکل آئے ہیں کھیتی کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ پہلے تو سب کام ہی ہاتھ سے کرنے پڑتے تھے۔ آپ بڑی محنت کیا کرتے۔ آپ پھل اور سبزیاں بو لیتے اُسی سے آپ کا اور آپ کی والدہ کا گزر بسر ہوتا تھا۔ ہاں ایک پن چکی بھی تھی وہ بھی آپ کی نگرانی میں آئی اس کے ذریعہ بھی کچھ آمد ہو جاتی۔ زندگی بڑے آرام سے گزر رہی تھی بے فکری تھی اطمنان تھا کوئی تکلیف نہ تھی ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔

والدہ کی وفات

خدا تعالیٰ کا اپنے پیاروں سے عجیب سلوک ہوتا ہے وہ اپنے پیاروں کو بار بار آزماتا ہے۔ اس لئے کہ وہ دیکھتا ہے کہ یہ بندہ کامل طور پر میرا ہوا ہے یا نہیں اور اللہ تعالیٰ جس سے جتنا بڑا امتحان لیتا ہے اُسے اُتنے ہی بڑے مقام تک پہنچا دیتا ہے۔ جب بھی کوئی آزمائش آجائے یا امتحان آجائے تو اُن کے منہ سے ہمیشہ یہی جملہ نکلتا ہے کہ:

ہو فضل تیرا یارب یا کوئی ابتلاء ہو
راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تیری رضا ہو

اُن کا ہر لمحہ ہر فعل اور ہر قول خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب کا بھی وہی حال تھا۔ والد کی وفات کی آزمائش کو گزرے زیادہ دن نہ ہوئے تھے کہ آپ کی مہربان والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ والدہ کی وفات کا غم اگرچہ آپ پر غموں کے پہاڑ توڑنے والا تھا لیکن آپ نے قرآن کے حکم کے مطابق بڑے حوصلہ سے اس غم کو برداشت کیا۔ تاہم ایک عرصہ تک اس کا اثر آپ کے دل و دماغ پر چھایا رہا۔ والدہ کی

وفات کے بعد آپ اکثر خاموش رہتے اور غور کرتے رہتے جب دل بہت زیادہ اکتا جاتا تو اپنے کھیتوں کی طرف نکل جاتے اور کھیتی کے کام میں مصروف ہو جاتے یوں ہی دن گزرتے گئے راتیں بیتتی گئیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کب اور کس حال میں کس بات سے زندگی میں ایک تغیر پیدا کر دے۔ بس یہی حال حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا ہوا۔ کیونکہ آپ سے اللہ تعالیٰ بڑے بڑے کام لینا چاہتا تھا۔

ایک مجذوب سے ملاقات

کہا جاتا ہے کہ ایک دن حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اپنے باغ میں مصروف عمل تھے کہ ایک مجذوب جن کا نام گرامی حضرت ابراہیم قندوزی تھا وہاں تشریف لائے۔ اور خواجہ صاحب کو یہ علم تھا کہ یہ خدا رسیدہ بزرگ ہیں۔ اُنہوں نے اُن کی تواضع کی اور اپنے باغ سے تازہ انگور اُن کی خدمت میں پیش کیۓ۔ خواجہ صاحب کی اس عقیدت کو دیکھ کر جس کا اظہار انہوں نے اپنے عمل سے کیا تھا اُس مجذوب کو آپ پر بہت پیار آ گیا۔ بس اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت سے خواجہ صاحب کی حالت کے تبدیل ہونے کا وقت آ گیا تھا۔

کہتے ہیں کہ اُس مجذوب نے تل کے چند دانے لئے اور اپنے منہ میں رکھے پھر اُن دانوں کو اپنے منہ سے نکال کر بڑی محبت اور شفقت سے حضرت خواجہ صاحب کے منہ میں رکھ دیا۔ اور خواجہ صاحب نے بھی انکار نہ کیا اور خوشی خوشی اُن دانوں کو کھا لیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ صاحب کو کچھ ہی دیر بعد نیند آ گئی اور جب آپ بیدار ہوئے تو وہ مجذوب وہاں موجود نہ تھا۔ حضرت خواجہ صاحب کا دل نہایت درجہ اطمنان محسوس کر رہا

تھا۔ جس میں نہ کوئی پریشانی تھی نہ فکر اور نہ ہی بے قراری اور آپ کا دل اطمنان قلبی سے مالا مال ہو چکا تھا۔ بس کیا تھا آپ کے دل کی کیفیت بالکل بدل گئی۔

کچھ دیر بعد خواجہ صاحب نے اپنی اور اُس مجذوف کی حالت پر غور وخوض کرنا شروع کیا۔ اور یوں سوچا کہ ایک طرف ہماری زندگی ہے کہ رات دن اپنی ذات کی خاطر محنت ومشقت کرتے ہیں دھوپ چھاؤں کی سختیاں جھیلتے ہیں کھیتی کرتے ہیں پھل بوتے ہیں سبزی بوتے ہیں اور کاٹتے ہیں۔ ایک فکر دامن گیر ہے اور ایک وہ مجذوب کہ نہ اُسے کوئی فکر نہ خوف کہ کہاں سے آئے گا؟ کون دے گا؟ کیسے دے گا؟ کب دیگا؟ بس دوسروں کی خاطر زندہ ہے اللہ کی عبادت میں مشغول اُسی کے آستانہ پر مست پڑا ہے دوسروں کی خدمت کرنا ہمدردی کرنا لوگوں کو گناہوں سے دور کرنا اس کا شیوہ ہے اور اللہ تعالیٰ غیب سے اسکے سب کام بنا رہا ہے اور ضرورتیں پوری کر رہا ہے۔ پس آپ نے اپنی حالت سے اُسکی حالت کو بہتر جانا پھر کیا تھا آپ نے اپنا باغ باغیچہ سب بیچ دیا اور اسے اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا اور اُسی مجذوب کی مانند ایک نئی منزل کی تلاش میں نکل پڑے۔

حصول تعلیم کے لئے سفر

حضرت خواجہ صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اطلبوا العلم لو کان بالصین سُن رکھا تھا آپ کے دل میں حصول علم کا جزبہ ابھر آیا اور جو تعلیم نیشاپور پر حملہ کی وجہ سے مکمل نہ کر سکے تھے اور پھر والدہ کی خدمت کے لئے رکے ہوئے تھے تعلیم مکمل کرنے کی غرض سے بخارا کی طرف چل پڑے۔ اُن دنوں بخارا میں شیخ حسام الدین

صاحب کا ایک مدرسہ تھا جو بڑی شہرت کا حامل تھا۔ اس میں داخل ہو گئے۔ پھر وہاں سے سمر قند تشریف لے گئے۔ جو کہ علم کا مرکز تھا۔ بخارا اور سمر قند میں آپ نے تقریباً پانچ سال قیام کیا اور علم حاصل کیا۔ اس زمانہ کے جس قدر بھی علوم فقہ، حدیث، قرآن، منطق، ادب، کلام وغیرہ کے تھے سب حاصل کئے اور حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ عالم دین کی صف میں شمار ہونے لگے۔

سمر قند میں قیام کے دوران ہی آپ کو ایک نہایت ہی متقی اور پرہیز گار بزرگ کا علم ہوا اُن کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ بزرگ حضرت خواجہ عثمان ہرویؒ تھے۔ ہرون بغداد کے قریب ایک قصبہ تھا۔ یہ صوفی بزرگ چشتیہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ لوگ دور دور سے روحانی اور نفسانی بیماریوں کے علاج کے لئے اُن کے پاس آیا کرتے تھے۔ حضرت خواجہ صاحب کے دل میں بھی اُن سے فیض حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا آپ نیشاپور سے ہوتے ہوئے ہرون پہنچے اور کچھ دنوں تک ان کی صحبت میں رہے۔ حضرت خواجہ صاحب عبادت گزار متقی پرہیز گار دین دار شریعت پر کار بند اور ہر وقت اللہ کی عبادت میں مشغول رہنے والے انسان تھے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اس بزرگ کی نیکی اور پارسائی تقوی وطہارت کو جب سنّت رسول کے عین مطابق دیکھا تو پھر کیا تھا آپ ان پر عاشق ہو گئے آپ نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں ان کو ہی اپنا پیرو مرشد بناؤں گا۔ حضرت خواجہ عثمان صاحبؒ پر بھی آپ کی نیکی پارسائی اور روحانی مرتبت ظاہر ہو گئی اور خواجہ صاحب نے آپ کو اپنا مرید بنانے اور اپنی خاص تعلیم وتربیت میں رکھنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ آپ خواجہ صاحب کو اپنے ساتھ بغداد شریف لے گئے۔ جہاں آپ نے بڑے بڑے علماء اور

صوفیاء کی موجودگی میں اُنہیں اپنا مرید بنالیا۔

پیارے بچو! کسی کا مرید بننا بھی کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے مجاھدات کرنے پڑتے ہیں بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ اور جب مرید بنانے والا اس میں ان سب خوبیوں کو دیکھ لیتا ہے تو ہی اُسے اپنی مریدی میں شامل کرتا ہے۔

مجاھدات اور مریدی

مجاھدات میں روزہ رکھنا، فرض نمازیں تو فرض ہی ہیں اُن کی ادائیگی تو ضروری ہے۔ اس کے علاوہ نوافل پر بہت زور دیتے ہیں تہجد کا اہتمام ضروری ہے۔ پھر توبہ، استغفار کا دروازہ تو ہر وقت ہی کھلا رکھنا پڑتا ہے۔ اور انسان کا ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا جو ذکر الٰہی سے خالی ہو۔ اُن کا اُٹھنا بیٹھنا کھانا پینا، سونا، جاگنا سب خدا ہی کی خاطر ہوتا ہے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بھی اشارہ فرماتا ہے کہ جب کوئی اللہ کا بن جاتا ہے تو پھر وہ یہی کہتا ہے کہ:

میری نمازیں میری قربانیاں میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کی خاطر ہے۔

پس مجاھدات کرنے والے اپنے وجود کو خاک میں ملا دیتے ہیں اور اُن کی ایک ایک حرکت اور سکون بس خدا ہی کی خاطر ہو جاتا ہے ایسے لوگ کھا کر زندگی نہیں گزارتے بلکہ زندہ رہنے کی خاطر کھاتے ہیں۔ ورنہ فاقہ کشی تو ان کا جز بن جاتی ہے۔ اور جب کوئی پیر اپنے شاگرد کو مجاھدہ میں کامل پاتا ہے تو ہی اسکو اپنا مرید بناتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہرویؒ نے حضرت خواجہ معین الدینؒ کو اپنی تربیت خاص میں رکھا اور خاص طور پر لقاء الٰہی حاصل کرنے کے طریق برے خیالات پر غلبہ اور غیر مسلموں اور

مشرکوں میں تبلیغ کے گُر بتائے۔ جب آپ کو یہ خیال ہوا کہ اُن کا یہ مرید بتوفیق باللہ دُنیا میں اصلاح کا کام کرسکتا ہے تو آپ نے حکم دیا کہ اب جاؤ دُنیا کی سیر کرو اور توحید پھیلاؤ اور مخلوق خدا کی خدمت کرو۔

پیارے بچو! اللہ تعالیٰ کو جب کوئی پیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے پیار کرتا ہے اس کے سارے کام بناتا ہے اس کے ہاتھ میں شفا رکھ دیتا ہے وہ صاحب کرامت ہو جاتا ہے اور پھر ایسے لوگ ہمیشہ اُن ہی لوگوں کی صحبت میں رہنا پسند کرتے ہیں جو اللہ والے ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہ صاحب جب اپنے پیر کے حکم سے سیر و سیاحت کو ہرون سے نکلے تو آپ نے اپنا آستانہ ہر جگہ بزرگوں کو ہی بنایا۔ کچھ عرصہ سیاحت کر کے واپس اپنے پیر کے پاس فیض حاصل کرنے آجایا کرتے تھے آپ مکہ شریف، مدینہ شریف، بغداد، بصرہ، ہمدان، کرمان، بخارا، سنجار، سمرقند ان تمام جگہوں پر گئے۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ کے ساتھ بھی سفر کیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر بھی تشریف لے گئے۔

مختلف سفروں کے دوران آپ نے جن جن بزرگان امت سے ملاقات کی اُن میں سے چند کے اسماء گرامی اس طرح ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت اوحد الدین کرمانی، حضرت شیخ ابوالجنیب عبدالقادر سہروردیؒ وغیرہ۔

حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ نے آخری عمر میں گوشہ نشینی حاصل کر لی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس حالت میں عام لوگوں کو خواجہ صاحب کے پاس جانے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ صرف خواجہ معین الدین چشتی صاحبؒ کے لئے حکم تھا کہ وہ آجایا کریں اور جب بھی

آپ کوئی نصیحت کرتے تو آپ اُسے نوٹ فرمالیا کرتے تھے۔ اور مریدوں کو سناتے۔ اسی دوران جب پیر صاحب کو یہ احساس ہوا کہ آخری وقت قریب ہے تو تاریخ میں آتا ہے کہ آپ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو بلایا اور فرمایا:

"اے معین الدین میں نے تمہارے حال کو کمال کے درجے پر پہنچا دیا۔ تم اپنی ذمہ داری محسوس کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن شرمندگی ہو۔"

اس کے بعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ نے آپ کو ایک عصا، ایک خرقہ، نعلین اور ایک مصلی عنایت کیا اور ساتھ ہی فرمایا:

"یہ بزرگوں کی چیزیں ہیں جو ہم تک پہنچی تھیں ہم انہیں تمہارے سپرد کرتے ہیں۔ اب ان کی حفاظت کرنا تمہارا کام ہے۔ جس مرد خدا کو اس کا اہل سمجھنا اس کے سپرد کر دینا۔"

لکھا ہے کہ یہ کہہ کر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو آپ نے اپنے گلے سے لگایا اور فرمایا جاؤ ہم نے تمہیں خدا کے سپرد کیا۔

ہندوستان میں آمد

کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے چند دن بعد ہی آپ کو حج بیت اللہ پر جانے کی توفیق حاصل ہوئی جب آپ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر حاضر ہوئے تو آپ کو غیب سے یہ آواز سنائی دی کہ "معین الدین تمہیں ہندوستان کی ولایت دی جاتی ہے۔" (بحوالہ سیر الاقطاب صفحہ ۱۰۵ مونس الارواح) ہوسکتا ہے کہ یہ کوئی الہامی فقرہ ہو واللہ اعلم بالصواب جب واپس آکر حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ

نے دریافت فرمایا معین ہمارے لئے کیا تحفہ لائے ہو اور کیا حکم آیا ہے؟ آپ نے فرمایا غیب سے آواز آئی ہے کہ تمہیں ہندوستان کی ولایت دی جاتی ہے۔ اس پر آپ بہت خوش ہوئے اور مبارک باد پیش کی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ہرون سے ہندوستان کے لئے رخت سفر باندھا آپ جہاں سے گزرتے لوگ آپ کی بزرگی کے قائل ہو جاتے ہزاروں لوگ آپ سے فیض پانے اور برکت حاصل کرنے کے لئے جمع ہو جاتے۔ راستہ میں بہت سے مقامات پر رُک کر آپ نے بعض اولیاء اللہ کے مزارات پر چلہ بھی کیا۔ آپ مخلوق خدا کے سچے ہمدرد تھے۔ اور ہر کوئی آپ کی خدمت کرنے میں فخر محسوس کرتا تھا۔ سیر العارفین میں ایک واقعہ درج ہے کہ جب آپ سبزوار مقام پر پہنچے تو آپ نے وہاں ایک باغ میں ایک حوض کے قریب قیام فرمایا۔ وہاں کا حاکم جس کا نام یادگار محمد تھا باغ کی سیر کو پہنچا تو وہاں ایک اجنبی کو دیکھ کر بہت غضب ناک ہوا۔ اور جب حضرت خواجہ صاحب نے اُس کو نظریں اُٹھا کر دیکھا تو وہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔ اس پر حضرت خواجہ صاحب نے حوض سے پانی لیکر اس پر چھڑکا تو ہوش آیا۔ پھر کیا تھا حاکم خواجہ صاحب کا گرویدہ ہو گیا۔ اور اپنی گستاخی کی معافی طلب کی۔ اس پر خواجہ صاحب نے مسکراتے ہوئے اُسے گناہوں سے توبہ کرنے ظلم و ستم سے باز آنے اور نیکی کے کام کرنے کی تلقین کی۔ وہ آپ کا اس قدر گرویدہ ہوا کہ سارا مال آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ لیکن آپ نے اُسے لینے سے انکار کر دیا۔ یادگار محمد کافی دنوں تک خواجہ صاحب کے ساتھ ساتھ سفر میں رہا اور آپ کی خاطر دُنیا کو خیر آباد کرنے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن آپ نے اُسے حق و انصاف کی تلقین کرتے ہوئے مظلوموں اور بے کسوں کی خدمت اور مدد کرنے کی تحریک کرتے ہوئے واپس

جانے کا حکم دیا اور فرمایا لوگوں کو بری باتوں سے روکنا اور نیک کاموں کی تلقین کرنا اس بات سے زیادہ ثواب کا باعث ہے کہ کوئی خدا کی خاطر دُنیا ہی کو ترک کر دے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک فلسفی اور منطقی ضیاء الدین صاحب ہوا کرتے تھے۔ فلسفی لوگوں کو بحث ومباحثہ کی بڑی عادت ہوتی ہے ان لوگوں کو تو بس موقعہ کی تلاش رہتی ہے۔ ان کو یہ معلوم ہوا کہ درویشوں کا ایک قافلہ آیا ہوا ہے تو پھر کیا تھا فوراً ملاقات کے لئے نکل پڑے اور مناظرہ کا ارادہ کر لیا۔ کہتے ہیں کہ جب یہ حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کی شخصیت نے اُن پر ایسا اثر ڈالا کہ اُن کے دل میں اُٹھنے والے شکوک وشبہات خود بخود دور ہونے شروع ہو گئے اور دل ودماغ ہر قسم کی فضول خیالات سے پاک ہو گیا۔ اور پھر اپنی حالت پر غور کیا تو بیہوشی کی سی حالت طاری ہو گئی اور جب ہوش آیا تو دل صاف ہو چکا تھا۔ اپنے علم کا غرور ٹوٹ چکا تھا۔ آپ نے توبہ کی اور خواجہ صاحب کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کر دیا خواجہ صاحب نے اُسے اپنا مرید بنالیا۔

غزنی سے ہوتے ہوئے آپ ملتان پہنچے۔ آپ نے وہاں کچھ دن قیام کیا۔ اور یہاں رہ کر جہاں آپ نے اھل اللہ سے ملاقاتیں کیں وہاں آپ نے ہندوستان کے حالات کا جائزہ بھی لیا۔ یہاں کی زبان سیکھی مذہبی اور سماجی رسومات اور رواجوں سے واقفیت حاصل کی۔ ان کے مذاہب کے عقائد وفضائل کا بڑی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا تاکہ انہیں تبلیغ کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہو۔

ملتان سے آگے آپ لاہور تشریف لائے وہاں حضرت داتا گنج بخشؒ کا مزار ہے اس پر آپ نے چلہ کیا۔ پھر آپ لاہور سے دھلی تشریف لے گئے۔ خدا تعالیٰ ہندوستان کے لوگوں کو توحید آپ کے ذریعہ سکھانا چاہتا تھا تاکہ ہندوستان کے لوگ بھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور خدا کی حمد کے ترانے گانے لگیں۔ یہی وہ ملک تھا جہاں حضرت خواجہ صاحب کی آخری آرام گاہ کا ہونا مقدر تھا۔

پیارے بچو! ہندوستان میں مسلمان بہت عرصہ پہلے ہی آچکے تھے۔ لیکن اُن کے ذریعہ کوئی ایسا حیرت انگیز روحانی انقلاب نہ آیا تھا جو قابل ذکر ہوتا۔ مسلمان بادشاہوں کی ہندوستان کے بعض حصوں پر حکومت بھی قائم ہو چکی تھی مگر وہ اسلام کو عوام الناس کے دلوں میں داخل نہ کر سکی تھی۔ اس جگہ تو اعلیٰ اخلاق و کردار کی ضرورت تھی۔ مخلوق خدا سے محبت اور پیار کی حاجت تھی۔ جو ایک پل میں انسان کی اندرونی کیفیت کو بدل دیتی ہے۔ پس ان تمام صفات کا مالک انسان ہی مشرکانہ صفات رکھنے والوں کے دلوں کو تسخیر کر سکتا تھا۔

اجمیر میں تشریف آوری

حضرت خواجہ صاحب نے دھلی پہنچ کر وہاں سے اجمیر جانے کا ارادہ کیا۔ اجمیر اس زمانہ میں راجپوت راجہ پرتھوی راج کا دارالحکومت تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جس زمانہ میں حضرت خواجہ معین الدینؒ اجمیر پہنچے ہیں اس وقت بھٹنڈہ کے قلعہ پر شہاب الدین محمد غوری کا قبضہ ہو چکا تھا۔ لیکن یہ قبضہ زیادہ دیر قائم نہ رہا پرتھوی راج نے اپنی طاقت پھر سے جمع کر شہاب الدین کو زبردست شکست دی۔ اگرچہ بعد میں جلد ہی پرتھوی راج کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ ایسے پر آشوب دور میں جب مسلمانوں کے خلاف غصے اور نفرت کی آگ بھڑک رہی تھی مسلمانوں کے دور دراز کے علاقہ کی طرف ہجرت کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ایک دو آدمیوں کا چھپ چھپا کر سفر کرنا اور بات ہے لیکن حضرت خواجہ

صاحب کے ساتھ چالیس افراد کا قافلہ تھا۔ جو اس نیت سے ہندوستان میں آیا تھا کہ تا اسلام کا نور اس کفرزار میں پھیلایا جائے اور لوگوں کو اسلام کی حسین اور پیاری تعلیم سے روشناس کروایا جائے۔ آپ سارا سارا دن سفر کرتے رات کسی بستی میں گزارتے۔ وہاں کے لوگوں کو تبلیغ کرتےؒ اور حق پہنچاتے۔ چاروں طرف پھیلے خطروں کے باوجود ان لوگوں کو اللہ کی ذات پر کامل بھروسہ تھا کہ وہ اس مٹھی بھر جماعت کو ضائع نہیں کرے گا۔ یہ قافلہ اس پراشوب دور میں دہلی سے اجمیر کی طرف جو کہ ایک ہندو راجہ کا دارالحکومت تھا رواں دواں تھا اور ایسے دور میں مسلمانوں کی ہر حرکت وسکون کو شک کی نگاہ سے دیکھا جانا لازمی امر تھا۔ مگر یہ لوگ خود سے نہیں بلکہ خدائی حکم کے تحت اور اسکی حکومت کے قیام کی خاطر نکلے تھے اس لئے خدا کی حفاظت میں اجمیر پہنچے۔

آپ کی مخالفت

حضرت خواجہ معین الدینؒ جب اجمیر پہنچ گئے اور مشیت الٰہی سے وہاں قیام فرمایا۔ جہاں آپ کی شخصیت بہت سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ وہاں آپ کی مخالفت بھی شروع ہوگئی۔ مخالفت کی اصل وجہ سیاسی تھی کہ ایک غیر مسلم حکومت میں ایک مسلم فقیر کا کیا کام؟ اس سے اُنہیں خطرہ دکھائی دیتا تھا مگر وہ یہ نہ جانتے تھے کہ آپ تو وہاں روحانیت کی حکومت قائم کرنے کی غرض سے گئے تھے۔

حضرت خواجہ صاحبؒ نے چند ہی دنوں میں وہاں کی رعایا کے دلوں پر حکومت قائم کرلی۔ اور یہ صرف اور صرف آپ کی بزرگی پاک باطنی، اخلاق حسنہ لوگوں سے پیار و محبت اخلاص کا نتیجہ تھا۔ لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے غیر معمولی محبت

پیدا کر دی تھی۔ کہتے ہیں کہ پرتھوی راج جب بعض قلعوں کو فتح کر کے اجمیر پہنچا اور وہاں حضرت خواجہ صاحب اور اُن کے ساتھیوں کو دیکھا تو بہت فکر مند ہوا۔ اس نے آپ کے خلاف کارروائی کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ وہاں کی رعایا کی خواجہ صاحب سے بے انتہا عقیدت اور محبت کا اس پر اظہار ہو گیا۔ اور وہ اس سوچ میں پڑ گیا کہ اگر میں نے ان کے خلاف کوئی کارروائی کی تو اپنی ہی رعایا اور اپنے ہی ہم مذہب والوں سے اس بات کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا اس لئے وہ مجبور ہو کر کسی بھی ظاہری کارروائی سے باز آ گیا۔ لیکن اندر ہی اندر آپ کے خلاف تدبیریں کرنے لگا۔

ایک مرتبہ پرتھوی راج نے آپ کے پاس اپنا ایک جاسوس بھیجا کہ وہ اس بات کا پتہ لگائے کہ آخر ان لوگوں کے یہاں آ کر قیام کرنے کا مقصد کیا ہے۔ جب اُسنے ایسی کوئی حرکت سرزد ہوتے نہ دیکھی جس کو بنیاد بنا کر کوئی کارروائی کی جا سکتی تھی تو پھر خود ہی اس نے خواجہ صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کا یہاں آنے کا مقصد کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہم لوگ تہذیب اور انسانیت سکھاتے ہیں۔ اور لوگوں کو نیکی اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں۔ اور یہی وہ بنیادی بات تھی جس کے نتیجہ میں لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوتے جاتے تھے اور جیسے جیسے آپ کے عقیدت مندوں کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا تھا اس قدر پرتھوی راج کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی لیکن آپ کے خلاف کسی بھی قدم کے اٹھانے سے ڈرتا تھا کہ مبادا اس کی ہی مخالفت نہ ہو جائے۔

ایک مرتبہ پرتھوی راج کا ایک مسلم ملازم خواجہ صاحب کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گیا۔ اس پر راجہ کو بہت غصہ آیا اور اس پر ظلم کرنا شروع کر دیا۔ اس کی شکایت اس شخص نے خواجہ صاحب سے کر دی جس پر خواجہ صاحب نے ایک چٹھی لکھ کر راجہ کو اس سے نرمی

سفیر پرتھوی راج کے پاس آیا اور اُسنے کہا کہ سلطان نے حکم دیا ہے کہ وہ بھٹنڈہ کا قلعہ خود ہی اسکے سپرکردے۔ یہ وہ قلعہ تھا جس پر قبضہ کی اطلاع راجہ کو چند دن قبل ہی ملی تھی۔ اور پھر تیرہ چودہ ماہ قبل ہی اس نے شہاب الدین کو بُری طرح شکست دی تھی۔ اس لئے اُسکو اپنی طاقت پر بڑا غرور تھا اس لئے اس نے وقت کی نزاکت کو نہ سمجھا اور طاقت کے نشہ میں وہ سلطان سے مقابلہ کی غرض سے جلد ہی اجمیر سے نکل کھڑا ہوا۔

سلطان کی فوجیں اس وقت ترائن میں موجود تھیں۔ دونوں فوجوں کا وہاں مقابلہ ہوا اور پرتھوی راج میدان جنگ ہی میں پکڑا گیا اور مارا گیا۔ پیارے بچو! دیکھو دونوں باتیں جو خواجہ صاحب کی زبان سے نکلی تھیں وہ کس طرح پوری ہوئیں۔ ایک تو تین دن کے اندر اندر پرتھوی راج کو اجمیر سے نکلنا پڑا اور پھر نکلا بھی ایسا کہ واپس لوٹ کر نہ آیا۔ میدان جنگ ہی میں پکڑا گیا اور میدان جنگ ہی میں قتل ہو گیا۔

کہتے ہیں کہ شہاب الدین محمد غوری نے ترائن کی فتح کے بعد دہلی کا رخ کیا دھلی فتح کیا اور پھر اجمیر کی طرف آیا۔ خواجہ صاحب کی شہرت پہلے ہی سُن چکا تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا سلام عرض کرتے ہوئے دُعا کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ صاحب نے بھی اس سے بڑی محبت اور شفقت کا سلوک فرمایا بعد حصول دعا وہ اجمیر سے رخصت ہو گیا۔

اخلاق واوصاف

پیارے بچو! کسی کی بزرگی کا پیمانہ اسکے اخلاص وعادات ہوا کرتے ہیں اس کا کردار اس کے افعال اس کا حلیہ اُسکی بلند مرتبت یا کم مرتبت کا نشان ظاہر کرتے ہیں۔ حضرت

خواجہ معین الدین چشتیؒ کا حلیہ کیسا تھا اخلاق کیسے تھے کردار کیسا تھا اس کا ذکر ابو سلمان شاہجہانپوری نے اپنے ایک رسالہ میں کیا ہے وہ میں اس جگہ نوٹ کرتا ہوں۔ جس سے آپ کی بزرگی ظاہر ہوتی ہے آپ فرماتے ہیں:

''سرخ و سپید رنگ، دراز قد، موزوں جسم، چوڑے شانے، کشادہ پیشانی، بڑی بڑی کبوتری آنکھیں، ستواں ناک، بھری ہوئی سفید داڑھی، لبوں پر تبسم، چہرے پر نور، چلنے میں وقار اور بیٹھنے میں ایک الگ شان۔ غرض آپ رنگ و روپ، ناک نقشے، چال ڈھال، وضع قطع ہر لحاظ سے حسین اور خوبصورت تھے۔

پہننے اوڑھنے میں کوئی خاص اہتمام نہ فرماتے کفنی نما ایک چادر تھی، میلی ہو جاتی تو اس کو دھولیا جاتا، پھٹ جاتی تو سی لیا جاتا۔ چاہتے تو قیمتی لباس کی کمی نہ تھی لیکن معلوم تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا۔ لباس کے سلسلے میں کوئی اہتمام اگر تھا تو صرف صفائی اور پاکیزگی کا۔

کھانے پینے کی بھی کوئی فکر نہ تھی، جو سامنے آجاتا کھا پی لیتے۔ نہ کبھی کسی چیز کی فرمائش کرتے، نہ کسی چیز میں نقص نکالتے۔ خوراک بہت کم تھی، اکثر روزے سے رہتے تھے، کہتے ہیں سوکھے ٹکڑے پانی میں تر کر کے افطار فرماتے تھے۔ حالانکہ کھانے کی کوئی کمی نہ تھی۔ کھانا اتنا پکتا تھا کہ کھانے والے نہ ملتے تھے۔

عبادت اور ذکر الٰہی کا یہ عالم تھا کہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے۔ روز و شب کا کوئی لمحہ ایسا نہ ہوتا تھا کہ زبان ورد سے اور دل ذکر سے غافل ہوتا ہر کام شریعت کے مطابق ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں اور آپ کی احادیث کے بیان میں آپ پر ایک عجیب والہانہ کیفیت طاری ہوتی اور گریہ جاری ہو جاتا۔ بڑی حسرت

سے اور پر درد لہجے میں فرماتے کہ اس شخص کا کیا عالم ہوگا جسے قیامت کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندگی ہوگی۔ تلاوت کلام پاک اور سیرت نبوی سے عشق تھا کہ قرآن حکیم سرچشمۂ ہدایت اور سیرت طیبہ اسوۂ حسنہ تھی۔ اتباع شریعت، تقویٰ اور پرہیزگاری میں آپ کی کوئی مثال نہ تھی۔

اخلاق میں صاحب خلق عظیم کا نمونہ تھے۔ اکرام مومن کا سبق کوئی آپ سے سیکھے۔ بڑوں کی تعظیم و توقیر اور چھوٹوں پر رحمت و شفقت کا عالم نہ پوچھئے کبر و غرور کا تو ان کی زندگی سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ خیال بھی آجاتا تو سمجھتے کہ اعمال اکارت گئے۔ انکسار، عاجزی اور فروتنی کا مجسمہ تھے۔ تواضع اور عفو و درگزر میں آپ کا جواب نہ تھا۔ کسی سے کوئی غلطی ہو جاتی، کوئی نقصان ہو جاتا، کوئی تکلیف پہنچتی تو آپ اس سے باز پرس نہ فرماتے۔ فوراً معاف کر دیتے لیکن دین کے معاملے میں نہایت سخت تھے۔ حق کے معاملے میں کسی کی رعایت نہ فرماتے تھے۔ ان کی طبیعت کا اصل رنگ جمالی تھا لیکن کسی معتقد یا مرید سے خلاف شریعت کوئی بات سرزد ہوتی تو اس کی سخت گرفت فرماتے۔ بعض ناعاقبت اندیشوں نے آپ کی شان میں گستاخی کی، آپ کی جان لینے کے درپے ہوئے لیکن آپ کے دل میں ان سے بدلہ لینے کا خیال تک نہ آیا۔ اس کے برخلاف ایسے لوگوں پر شفقت و محبت کی اتنی بارش ہوتی کہ ان کے دل کا سارا زنگ دور ہو جاتا، میل کچیل دھل جاتا اور پاک و صاف دل کے ساتھ واپس جاتے۔

عزیزوں اور پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی کا بہت خیال رکھتے۔ چھوٹے بڑے کو سلام میں سبقت فرماتے، بیماروں کی عیادت فرماتے، کسی کا انتقال ہو جاتا تو اس کے گھر والوں کو تسلی اور صبر کی تلقین فرماتے۔ میّت کے ساتھ قبرستان جاتے اور قبر پر بیٹھ کر

دیر تک اس کے لئے دعائے مغفرت فرماتے۔

گفتگو ٹھہر ٹھہر کر فرماتے۔ بیان میں سادگی ہوتی۔ بات کو طول نہ دیتے۔ تقریر مختصر اور جامع فرماتے۔ کسی کو کوئی بات سمجھانی ہوتی تو نہایت شفقت و محبت کے ساتھ سمجھاتے۔ جو کچھ زبان سے نکلتا سامعین کے دلوں میں اتر جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان کو تاثیر عطا فرمائی تھی۔ سنگ دل بھی آپ کے بیان و گفتگو سے موم ہو جاتے تھے۔

خلق خدا سے محبت اور خدمت آپ کی زندگی اور تعلیم کا اہم جزو ہے۔ اپنے کسی کام کے لئے کسی کو حکم نہ دیتے، کسی سے کوئی چیز طلب نہ فرماتے، کسی چیز کا ایسے الفاظ میں ذکر بھی نہ فرماتے جس سے اس کی خواہش یا حسنِ طلب ظاہر ہو۔ لوگوں کی خدمت اور سفارش کے لئے ہر وقت مستعد رہتے تھے۔

آپ کی زندگی میں بہت سی کرامتیں بھی ظاہر ہوئیں لیکن سچ پوچھئے تو آپ کا عمدہ اخلاق، پاک سیرت، محبت الٰہی عشق رسول، اتباع شریعت میں انہماک، مخلوق خدا کی خدمت اور محبت آپ کی سب سے بڑی اور اصل کرامت تھی۔"

(بحوالہ کتاب خواجہ معین الدین چشتیؒ، از ابو سلمان شاہجہانپوری صفحہ: ۶۰-۶۴)

آپ کے شاگرد

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اپنے بہت سے شاگرد تیار کئے تھے اور پھر اُنہیں تبلیغ اور اصلاح خلق کے لئے ادھر اُدھر بھیجتے تھے تا اللہ کا دین پھیلے اور اصلاح معاشرہ ہو۔ آپ ہی کے شاگردوں میں ایک نام حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کا ہے۔ آپ کو حضرت خواجہ اجمیریؒ نے دھلی روانہ کیا تھا۔ اس زمانہ میں دہلی میں ایک

درویش صفت بادشاہ تھا جن کا نام شمس الدین التمش تھا۔ ان کا مزار دہلی ہی میں ہے۔ التمش صوفیائے کرام اور بزرگان امت کی بہت عزت کرتا تھا۔ جب شمس الدین التمش کو تخت نشینی کے بعد بہت سے مصائب نے آگھیرا تو اس کا علم حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کو ہوا تو اُنہوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی خدمت میں جو کہ ان کے مرشد تھے خط لکھا کہ بادشاہ اور آپ کا مرید دعا کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔ اجازت دیں۔ اس کے جواب میں خواجہ صاحب نے لکھا کہ اصل مستقر سے اس قدر دور آنا بے معنی ہے جبکہ حالات بھی سازگار نہیں اس لئے میں خود دہلی آؤنگا۔

کہتے ہیں کہ دہلی والوں کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے بے پناہ محبت تھی اور جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے پیرومرشد دہلی آرہے ہیں تو دہلی کے لوگ خواجہ صاحب کی آمد پر اُمڑ پڑے اور شوق زیارت اور درخواست دعا کے لئے لوگوں کا تانتا لگ گیا۔

اس زمانہ میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ بھی دہلی میں موجود تھے۔ حضرت خواجہ صاحب نے حضرت بختیار کاکیؒ سے اُن کے متعلق بھی دریافت کیا اُن کو بلایا اور اُنہیں خلعت عطا کی اور خواجہ کاکیؒ نے شال اور دستار عطا کی اور خلافت دی کہتے ہیں کہ اُس وقت اس مجلس میں بڑے بڑے مشائخ اور صوفیاء موجود تھے۔

۶۱۷ھ کی بات ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے بغیر کسی اطلاع کے دہلی کا سفر اختیار کیا اور حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ حضرت خواجہ معین الدینؒ کی اس اچانک آمد پر حیران ہوئے اور کہا کہ آپ نے ہمیں بھی اطلاع دی ہوتی۔ پھر اچانک دہلی آمد کا مقصد پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ ایک کسان آیا ہے اسنے اپنی داستان ظلم مجھے سنائی

کہ سلطان کے حاکموں نے اس کی زمین پر قبضہ کرلیا ہے۔ مجھ سے اس نے مدد کی التجاء کی ہے۔ سنت نبوی کے مطابق اس مظلوم کی مدد کی خاطر یہاں آئیں ہیں کہ تا سلطان سے اس کی زمین اسے واپس دلائی جائے۔

پیارے بچو! حضرت خواجہ صاحبؒ نے جو یہ بات کہی کہ سنت نبوی کے مطابق اس مظلوم کی مدد کی خاطر آیا ہوں تو دراصل ہوا یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی ایک مظلوم آیا تھا جس کی کچھ رقم ابوجہل نے دبا رکھی تھی۔ اس نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد کی درخواست کی تو آپ فوراً ہی اس کے ساتھ ابوجہل کے گھر گئے جو کہ آپ کا اشد ترین دشمن تھا۔ اس سے اس مظلوم کی رقم دلا دی۔ اسی طرح اُس سنت کے مطابق آپ نے بھی عمل کرتے ہوئے سلطان سے اس کی ہتھیائی ہوئی زمین واپس دلانے کے لئے یہ سفر کیا۔ جب سلطان کو اس بات کا علم ہوا ایک تو اس غریب کسان کی زمین واپس کی اور حضرت خواجہ صاحب سے معافی کا خواستگار بھی ہوا ور دعاؤں کی درخواست کی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا تبلیغ کا طریق بڑا ہی اچھوتا تھا۔ آپ جس کو تبلیغ کرتے پہلے اس کے احوال جان لیتے اور پھر اس کے مطابق ہی اس کی لیاقت کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے تبلیغ کرتے تھے۔

پیارے بچو! حضرت خواجہ صاحب نے ہندوستان میں آکر جس جگہ کو اپنا مرکز بنایا وہ ایسا مقام تھا جہاں نہ تو مسلمانوں کی کوئی تعداد قیام پذیر تھی اور نہ ہی وہ علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ بلکہ سارا علاقہ ہی ہندو راجہ کی تحویل میں تھا اور خاص وہ شہر جہاں آپ نے قیام فرمایا وہ اس کا دارالحکومت تھا۔ اس جگہ اسلام کی بنیاد ڈالنا کوئی آسان کام نہ تھا۔

کسی کو اپنا بنانے کے لئے اور کسی کو اپنی طرف راغب کرنے کے لئے جو بات سب سے زیادہ کام آتی ہے وہ انسان کا اپنا کردار ہے۔ حضرت خواجہ صاحب شریعت کے پابند تھے۔ اور شریعت کی پابندی اور اس کے خلاف نہ جانا یہ آپ کی سب سے بڑی کرامت بیان کی جاتی ہے۔

طریقہ تبلیغ

آپ کی تعلیمات میں جو باتیں نمایاں نظر آتی تھیں اُن میں ذکر الٰہی، قرآن کریم کی باقاعدہ تلاوت، عشق رسول، اتباع سنت، کثرت صوم وصلوٰۃ، خدمت والدین اُن کی تعظیم، خدمت خلق، لوگوں سے محبت اور ہمدردانہ سلوک شامل ہیں۔ آپؒ نے دنیا والوں کو دنیا ترک کرنے کی تعلیم نہیں دی جس طرح عام طور پر ہندو دھرم میں پائی جاتی ہے بلکہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیاداری کے ساتھ ساتھ دینداری کے قیام پر زور دیا اور خود اپنے کردار سے لوگوں کو یہ سمجھایا کہ تمام دنیاوی امور کے ساتھ ساتھ دین کی پابندی کس طرح کی جاتی ہے۔ اور یہی آپ کا نمونہ تھا جس نے لوگوں کو آپ کی طرف مائل کر دیا۔

پھر ہندوستان میں ذات پات کا عام رواج تھا۔ آج بھی ہے ہندو مذہب میں اونچ نیچ کا حق پیدائشی مانا گیا ہے۔ آپ نے اس کے برعکس اسلام کی یہ تعلیم پیش کی کہ ذات پات کوئی چیز نہیں انسان اپنے عمل اور کردار سے بڑا یا چھوٹا ہوتا ہے۔ آپ نے ہر شخص کو اپنے گلے سے لگایا اور کسی سے بیگانہ سلوک نہ کیا خواہ کسی بھی قوم کا کوئی بھی شخص آئے آپ اُسکو وہی مقام دیتے جو ایک امیر اور راجہ صفت والے کو دیا جاتا تھا۔ اسی طرح اس علاقہ کی سب قوموں میں آپ کے تئیں بے انتہا محبت پیدا ہوگئی۔ آپ نے آہستہ آہستہ

قومی اور سماجی برائیوں کو اُن سے دور کیا۔ اور آپ نے یہ بات لوگوں پر واضح کی کہ کام اور پیشے کے لحاظ سے کوئی بڑا اور چھوٹا نہیں ہے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت دار وہ ہے جو سب سے زیادہ نیک اور پرہیزگار ہو۔ آپ نے سب مذاہب کے بزرگوں کی عزت کو قائم کیا اور لوگوں میں اعلیٰ اخلاق کا نمونہ قائم کیا۔ اس طرح ایک انسان کو دوسرے کا بھائی بھائی بنا دیا۔

حضرت خواجہ صاحبؒ لوگوں کو سب سے پہلے عالمگیر سچائیوں کی طرف مائل کرتے ایک خدا پر یقین، انسانیت کی خدمت، مخلوق خدا سے محبت عفوودرگزری ظلم وفساد سے گریز لوگوں کے حقوق کا احترام کرنا یہ بنیادی اخلاق سکھاتے تھے اس کے ساتھ ساتھ آپ اسلامی تعلیمات میں سے توحید، رسالت، اخوت اسلامی، مساوات وغیرہ کی تعلیمات سے روشناس کراتے تھے۔ پھر یہی باتیں ہی ان لوگوں کے لئے اسلام میں شامل ہونے کا ذریعہ بن جاتیں۔

آپ کا تبلیغ کا طریق اس قدر جاذبیت رکھتا تھا کہ جو شخص بھی ایک مرتبہ آپ کے قریب آجاتا وہ پھر آپ سے دور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اور ناممکن تھا کہ جس نے آپ کی طرف ایک قدم بڑھایا ہو وہ اس کو واپس اٹھائے بلکہ وہ آگے ہی آگے بڑھتا جاتا۔ اس طرح آپ کے اعلیٰ اخلاق کے اعلیٰ نمونہ سے ہزاروں غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے۔

پھر آپ نے اپنے پیچھے ایسی جماعت صوفیاء کی تیار کی جو ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ پھر اُن کے ذریعہ سے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اسلام کی شعائیں پھیل گئیں۔

پیارے بچو! حضرت خواجہ صاحب کی زبان بہت سادہ تھی لیکن ایسی کہ جو دلوں پر اثر

کرتی۔ آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔ ایک مرتبہ ہندوؤں کے ایک بہت بڑے اور مشہور پنڈت جی کا حضرت خواجہ صاحب سے مقابلہ ہو گیا۔ ان کا نام رام دیو مہنت تھا۔

حضرت خواجہ صاحب نے اُن سے دریافت کیا کہ تم لوگ ان مورتیوں کو کیوں پوجتے ہو۔ اس کو کیوں نہیں پوجتے جس نے ہم سب کو پیدا کیا ہے؟ جبکہ یہ مورتیاں تو آدمیوں کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ہیں۔ اس پر اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم تو ان کو اپنا خدا اور معبود جانتے ہیں۔ اس پر خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر تم ان کو خدا مانتے ہو تو تم ان سے کوئی التجاء کرو اور ان سے کوئی سوال کرو۔ ان سے کچھ مانگو کیا تم کو یہ کوئی جواب دیتے ہیں۔ اس پر رام دیو مہنت نے جواب دیا کہ یہ تو پتھر کے ہیں یہ بول نہیں سکتے۔ آپ نے فرمایا کہ تم ان بتوں کو کیوں پوجتے ہو جو نہ سُن سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں تم اُسکو کیوں نہیں پوجتے جو ان کو بھی زبان دے سکتا ہے۔ اور وہ اللہ ہے جس نے سب کائنات کو پیدا کیا ہے۔ خواجہ صاحبؒ کے یہ چند سیدھے سادے جملے تھے لیکن ان میں صداقت تھی اور حقیقت تھی ان باتوں کا پنڈت جی پر ایسا اثر ہوا کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ ان کے مسلمان ہو جانے پر ہزاروں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے۔

پیارے بچو! خواجہ صاحبؒ کی سب سے بڑی کرامت ہی یہ تھی کہ انہوں نے شرک اور کفر کے گڑھ میں اپنے اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار اور اسلامی شعار کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے توحید اور اسلام کا جھنڈا بلند کیا۔ آج بھی ہزاروں دلوں میں ان کی محبت قائم ہے۔ آپ نے اپنا سب کچھ اسلام اور توحید کی خاطر قربان کیا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے پوری زندگی ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

سنت کے مطابق گزاری نکاح کرنا بھی سنت ہے اجمیر آنے کے بعد آپ نے نکاح کیا آپ نے دو نکاح کیئے۔ پہلا نکاح اجمیر پہنچنے کے ڈھائی تین سال بعد کیا۔ اور دوسرا بڑی عمر میں جبکہ آپ بیاسی برس کے تھے۔ اگر چہ ان کی پہلی اور دوسری بیوی کے متعلق اور بچوں کے متلق اختلاف پایا جاتا ہے اور زیادہ حالات کا علم نہیں ملتا۔ تاہم کچھ لکھتا ہوں۔

جس وقت آپ اجمیر تشریف لائے اس وقت مسلمانوں اور ہندو راجاؤں کے درمیان جنگیں جاری تھیں۔ انہیں جنگوں کے دوران کسی راجہ کی ایک بیٹی مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئی جس مسلمان سردار کے پاس راجہ کی یہ بیٹی آئی اُس نے اسے حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جس سے خواجہ صاحبؒ نے نکاح کیا اور اس کا نام امت اللہ رکھا۔ ان کو بی بی امّت کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

ان کے بطن سے حضرت خواجہ صاحبؒ کے تین بچے پیدا ہوئے جن میں دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ جن کے نام خواجہ فخر الدین اور خواجہ حسام الدین ہیں اور بیٹی کا نام بی بی جمال تھا۔ ان کی شادی صوفی حمید الدین ناگوریؒ کے صاحبزادے شیخ رضی الدین عرف عبداللہ سے ہوئی تھی۔ بی بی جمال صاحبہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ بڑی ہی متقی اور پرہیزگار تھیں قرآن کی حافظہ تھیں۔ اور ساری عمر عورتوں میں تبلیغ اور اصلاح کا کام کرتی رہیں۔ ان کی وفات اجمیر ہی میں ہوئی۔

خواجہ صاحبؒ کا دوسرا نکاح سید وجیہ الدین مشہدی کی صاحبزادی بی بی عصمت سے ہوا اور ان سے خواجہ ضیاء الدین ابو سعید پیدا ہوئے یہ بھی بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ ان کی وفات بھی اجمیر ہی میں پچاسی سال کی عمر میں ہوئی۔ خواجہ صاحبؒ کی دونوں بیویاں بڑی صابرہ شاکرہ نیک سیرت اور نیک خصلت تھیں۔ خواجہ صاحبؒ کی طبیعت

سے خوب واقف تھیں۔ بڑی وفاء سے زندگی بسر کی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے لمبا عرصہ تک اجمیر میں قیام کیا۔ اس قیام کے دوران جہاں آپ گھر کی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے وہاں آپ نے لوگوں کی رشد و ھدایت کا خوب کام کیا۔ ہر وقت عبادت الٰہی میں لگے رہے۔ آپ کی زبان اذکار و درود سے ہمیشہ تر رہتی تھی۔ آپ نے بڑی محنت اور دُعاؤں کے ساتھ اپنے بہت سے شاگرد تیار کیے جن کو آپ نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیلا دیا تھا۔

پیارے بچو! جو بھی اس دنیا میں آتا ہے اسنے بہر حال ایک دن اللہ کے حضور حاضر ہو جانا ہے کیونکہ یہ دنیا فانی ہے۔ اور اس میں سوائے اللہ کے اور کسی کو بھی بقاء نہیں۔ آپ نے پہلے صفحات میں پڑھا ہوگا کہ جب حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ کی وفات کا وقت قریب آیا اور اُنہوں نے اپنے شاگردوں میں سے سب سے پائے کا بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو پایا تو آپ کو بلا کر آپ کی خدمت میں بعض تبرکات پیش کرتے ہوئے یہ ہدایت کی تھی کہ ''یہ بزرگوں کی چیزیں ہیں جو ہم تک پہنچی ہیں۔ ہم انہیں تمہارے سپرد کرتے ہیں۔ اب ان کی حفاظت کرنا تمہارا کام ہے۔ جس مرد خدا کو اس کا اہل سمجھنا اس کے سپرد کر دینا۔''

اس کے مطابق آپ نے بھی اپنے شاگردوں پر ان تبرکات کے سپرد کرنے کی غرض سے نظر ڈالی تو آپ کی نظر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ پر ٹکی۔ آپ نے خواجہ صاحب کو ملاقات کرنے کے لئے اجمیر آنے کی دعوت دی۔ چند پند و نصائح کیں۔ اور وہ تبرکات جو آپ کو خواجہ عثمان ہرونیؒ سے ملے تھے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے سپرد کر دیئے اور اُنہیں بھی یہی نصیحت فرمائی کہ ''یہ بزرگوں کی چیزیں ہیں جو ہم تک

پہنچی ہیں۔ ہم انہیں تمہارے سپرد کرتے ہیں۔ اب ان کی حفاظت کرنا تمہارا کام ہے۔ جس مرد خدا کو اس کا اہل سمجھنا اس کے سپرد کر دینا۔''

ان برکات میں ایک عصا، خرقہ نعلین اور ایک مصلیٰ تھا۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے ان تبرکات کو حاصل کیا اور واپس دہلی تشریف لے آئے۔ خواجہ معین الدین صاحب اجمیریؒ کے اس عمل سے حضرت خواجہ قطب الدین کاکیؒ کو اس بات کا بخوبی احساس ہو گیا تھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی وفات کا وقت اب قریب ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کو دہلی پہنچے ہوئے ابھی بیس دن ہی ہوئے تھے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی وفات کی خبر مل گئی۔ آپ کو سلطان المشائخ کا خطاب دیا جاتا ہے۔ ان کے وجود سے ہندوستان میں اسلام کی ترقی کی ایک نئی روح پیدا ہوئی اور آج تک بھی اُن کا اثر دکھائی دیتا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا مقبرہ اجمیر ہی میں موجود ہے۔ پہلے پہلے تو آپ کا مزار مٹی کا تھا قبر پختہ نہ تھی لیکن بعد میں قبر پختہ کر دی گئی۔ پہلے قبر اینٹوں سے پختہ کی گئی بعد میں سنگ مرمر کا ایک صندوق سا اس قبر پر بنا دیا گیا۔ تاریخ میں آتا ہے کہ حضرت شیخ حمید الدین سوالی کے پوتے خواجہ حسین ناگوری نے سب سے پہلے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے روضہ پر عمارت تعمیر کروائی تھی۔ اس کے بعد مختلف بادشاہوں نے عقیدت کی بنا پر یہاں عمارات تعمیر کروائیں ان میں مالوہ کے سلطان محمود خلجی کا نام خاص طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ جب اسنے راجپوتوں کے پوتوں پر فتح حاصل کی تو اس نے روضہ کے قریب ایک مسجد تعمیر کروائی جو اب صندل خانہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے بعد بلند دروازہ اور دوسری عمارتیں بھی اُسی نے تعمیر کروائیں۔ جہانگیر نے بھی اپنے زمانہ

میں وہاں بعض تعمیری کام کیئے لکھا ہے کہ جہانگیر نے آگرہ سے ایک بہت بڑی دیگ بنوائی جو کہ اجمیر میں جا کر دی اس میں کھانا پکوایا اور پانچہزار آدمیوں کو کھلایا یہ اب چھوٹی دیگ کے نام سے مشہور ہے کہتے ہیں کہ اس میں اسی من چاول ایک وقت میں پک سکتے ہیں۔

اسی طرح شاہجہان نے بھی سنگ مرمر کی ایک مسجد وہاں تعمیر کروائی تھی۔

پیارے بچو! حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ تو وہ بزرگ ہستی تھے جو لوگوں کو ساری زندگی شرک سے دور کرتے رہے لیکن آج ناسمجھ لوگوں نے اُن کی قبر کو سجدہ گاہ بنالیا ہے اور وہاں مرادیں مانگی جاتی ہیں۔ اور پھول چڑھائے جاتے ہیں چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ یہ سب مشرکانہ حرکتیں ہیں اسلام ان باتوں کی بالکل اجازت نہیں دیتا یہ کام اسلامی تعلیم کو نہ سمجھنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ جب بھی کوئی وہاں جائے تو وہاں جا کر سورۃ فاتحہ پڑھے درود شریف پڑھے اور دُعائے مغفرت کرے۔ قبر والوں سے مانگنا شرک ہے جو کہ اللہ کو بالکل پسند نہیں کیونکہ دینے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ قرآن شریف مین بیان فرماتا ہے کہ اگر میں چاہوں تو سب گناہ بخش دوں مگر میں شرک کو معاف نہیں کرونگا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنی چاہئے کہ اے اللہ جس طرح یہ لوگ تیری توحید کو قائم کرنے آئے تھے اور توحید کے پرستار تھے تو اُسی طرح ان کی قبر پر آنے والوں کو بھی توحید پر قائم فرما کہ یہ تیرے سوا نہ کسی سے کچھ طلب کریں اور نہ ہی تیرے سوا کسی کے آگے سجدہ کریں کیونکہ تو شرک کو بالکل پسند نہیں کرتا۔ آمین۔

☆
☆☆☆
☆

HAZRAT KHAWAJA MUINUDDIN CHISHTI AJMERI

In Urdu

Written By :

Burhan Ahmad Zafar Durani